والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیزؒ صاحبہ

سیدہ امۃ اللہ العزیز صاحبہ جو مشہور مورخ اور عالم دین مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی بڑی صاحب زادی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی بڑی بہن تھیں، مورخہ ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ کی شب میں سینے کی تکلیف کے نتیجہ میں انتقال فرما گئیں، "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

والدہ مرحومہ بڑی خلیق، ملنسار اور ہر ایک کے لیے خواہ عزیز ہو خواہ مہمان ہو خوش اخلاقی اور محبت و تعلق کا برتاؤ کرنے والی تھیں، خاندان کے بڑے چھوٹے ان سے مل کر خوش ہوتے اور ان کی ملاقات سے قوت محسوس کرتے اور ان کی دعا حاصل کر کے اطمینان قلب حاصل کرتے۔

مرحومہ کی تربیت ایسے گھر میں ہوئی تھی جس میں ان کے والد والدہ بڑے بھائی ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی حسنیؒ اور چھوٹے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ دونوں صالح بزرگ کا درجہ رکھتے تھے، ان سے اوپر ان کے نانا مولانا شاہ ضیاء النبی صاحبؒ اور مولانا حکیم فخر الدین صاحب اپنے وقت کے بزرگوں میں تھے۔ ان کی والدہ صاحبہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ ممتاز خصوصیات و نیک صفات کی حامل تھیں، ایک طرف وہ عبادت و نیک عملی میں دوسری طرف ہنر مندی اور عملی صلاحیت میں، تیسری طرف علم دوستی و ادبی صلاحیت میں امتیازی خصوصیات رکھتی تھیں دین و دنیا کی سمجھ اور حسن عمل ان میں جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے ایک طرف بچیوں کی اصلاح و تربیت پر کتاب حسن معاشرت تحریر کی جس میں بچیوں کے لیے کردار و اخلاق، دینداری، حسن سیرت و ہنر مندی کے سبق دیئے، دوسری کتاب "ذائقہ" میں گھریلو کاموں کے سلسلے میں مختلف و متنوع کھانوں کے طریقے بتائے، دوسری طرف دعا و مناجات پر مؤثر نظمیں کہیں جو "باب رحمت" کے نام سے کتاب کی صورت میں شائع ہوئیں۔ جس کے پر

اثر اشعار پسند کیے گئے انھوں نے اپنے صاحبزادے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی بہت توجہ وفکر مندی سے تربیت کی، اپنے فرزند کے لیے انھوں نے جو فکرمندی، توجہ اور دعا کی اس کے اثرات حضرت مولانا کی حسن سیرت واخلاق بزرگی و دینداری، اخلاص وجذبہ عمل، دین کی سربلندی اور امت اسلامیہ کی صلاح وفلاح کے لیے دردمندی، وفکرمندی میں دیکھا جاسکتا ہے، وہ خود بزرگ تھیں اور بزرگ باپ حضرت شاہ ضیاء النبی حسنیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ زیرتذکرہ امۃ العزیز صاحبہ ان کی بڑی بیٹی تھیں، بیٹی شادی سے قبل اپنی ماں کی خصوصی تربیت و نگہداشت میں رہتی ہے لہٰذا امۃ العزیز صاحبہ کو ان کی تربیت کا حصہ وافر ملا، جو ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں نمایاں تھا اور اس کا مشاہدہ ہر اس شخص نے کیا جو امۃ اللہ العزیز صاحبہ سے ملا اور ان کا کردار اور اخلاق دیکھا۔

امۃ العزیز صاحبہ سے مل کر ہر عزیز یہ سمجھتا تھا کہ شاید موصوفہ کی شفقت اس کے ساتھ سب سے زیادہ ہے، اور عزیز تو عزیز ملازماؤں پر بھی اس طرح شفقت کرتیں جس طرح کوئی دوسرا شخص عزیزوں اور تعلق والوں کے ساتھ کرتا ہے۔

دینی حیثیت سے امۃ العزیز صاحبہ نماز وتلاوت سے خصوصی شغف رکھتی تھیں ،مختلف نمازوں کے علاوہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے پڑھنے کا بھی معمول تھا اور جب تک بصارت صحیح رہی تلاوت قرآن سے خاص اشتغال رہتا تھا، اپنی اولاد واحفاد کے ساتھ ان کی محبت اور ان کی راحت وصحت کی فکر بہت بڑھی ہوئی تھی، ان کی ذراسی تکلیف وبیماری ان کے لیے بہت شاق اور تکلیف دہ ہوتی اور وہ ایسی فکر مند ہو جاتیں کی بیمار کو خجالت ہونے لگتی، اسی طرح وہ اپنی اولاد واحفاد کے لیے پوری توجہ قلبی کے ساتھ دعائیں مانگتیں، ان کی فکر زیادہ تر ان کی دینی ترقی وکامیابی صلاح ونیک شہرت کی رہتی، مال و دولت اور دنیاوی منافع کا زیادہ حصول ان کی نظر میں ترجیحی بات نہ تھی۔ ان کو اپنے ماں باپ کے گھر میں اسی طرح کی تربیت بھی ملی تھی، اپنی اولاد سے بہت زیادہ محبت کرنے کے باوجود ان کے کسی غلط کام میں پڑ جانے پر بہت سخت انداز اختیار کرلیتیں، کسی کے ساتھ زیادتی

کرنے یا بڑوں کی اطاعت میں کوتاہی کرنے پر رحم ومحبت کا جذبہ ظاہر نہ ہوتا اور کوئی عزیز کسی غلطی پر ان کو تنبیہ کرتا تو اس پر ذرا ناپسندیدگی ظاہر نہ کرتیں، بعض مرتبہ ان کے کسی بیٹے کو اس کے معلم نے اس طرح مارا کہ زخم ہوگا لیکن انھوں نے ذرا بھی ناگواری ظاہر ہونے نہ دی بلکہ اس کو تربیت کی مصلحت میں سمجھا۔

انھوں نے اپنے بچوں کی تربیت اعلیٰ قدروں پر کرنے کی کوشش کی اور ان کے مستقبل کی کامیابی کے لیے اپنی زندگی کو بے راحت رکھا اور اپنے آرام کو نظر انداز کیا، وہ اس گھرانے سے جس میں علم دین اور دین کی فضا ہر طرف قائم تھی شادی کر کے اس گھر میں آئی تھیں، جہاں زمین داری تھی اور زمینداری کے اثر سے دنیاوی ترقی کی فکر نظر انداز نہیں کی جاتی تھی، جہاں ان کے لڑکوں کے لیے دنیاوی تعلیم کی راہیں کھلی ہوئی تھیں اور ان کے ہم چشموں میں اسی کا رواج بھی تھا لیکن امۃ العزیز صاحبہ نے اپنے لڑکوں کو اس راہ پر چلنے نہیں دیا اور اس کے برخلاف اپنے عالم دین وفاضل بھائیوں کے سپرد کیا جہاں ان کو دینی تعلیم ہی کی لائن پر چلنا پڑا، یہ وہ دور تھا کہ دینی تعلیم کی طرف جانے والے کو دنیاوی لحاظ سے بالکل ناکام اور دنیاوی وسائل سے محروم ہو جانے والا سمجھا جاتا تھا، یہ دنیاوی لحاظ سے وہ قربانی تھی جو ایک شفیق ماں آسانی سے نہیں دے سکتی... لیکن امۃ العزیز صاحبہ نے نہ صرف یہ کہ یہ قربانی دی بلکہ اس پر وہ تاحیات چلیں اور مسرور رہیں، ان کے لیے سہولت کی بات یہ بھی رہی کہ ان کے شوہر بچوں کے والد سید رشید احمد صاحب نے اس میں ان کا ساتھ دیا اور اپنے ہم چشموں اور عزیزوں کے بچوں کے برخلاف اپنے بچوں کو خالص دینی علم کی راہ پر جانے دیا۔ وہ دونوں ایک ہی نانا نانی کے نواسے تھے۔

امۃ العزیز صاحبہ کی زندگی کا آغاز مطالعہ وعلم دوستی سے ہوا تھا اور ان کی تحریری صلاحیت بھی تھی اور شوق علمی تھا، ان کی شادی کم عمری میں اور قدرے مختلف مزاج میں ہوئی یہ ان کے لیے اپنے علمی وادبی مذاق میں تبدیلی لانے والی بات بھی تھی لیکن انھوں نے اپنے والد والدہ کے انتخاب کو خوشی سے قبول کیا، اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس کے فرائض

وذمہ داریوں کو بحسن وخوبی پورا کیا، انھوں نے اس سلسلے میں ادائیگیِ حقوق میں اعلیٰ معیار قائم کیا اور بے نفسی کی مثال قائم کی۔

وہ کھانے پینے میں رہنے سہنے میں ذوق و پسند میں اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دینے والی تھیں اس میں ان کا ایثار اتنا بڑھا ہوا تھا کہ مرغوب غذا اور پسندیدہ لباس ان کے لیے فکر وخواہش کا مرکز نہ بن سکا بلکہ دوسرے کے مقابلہ میں کمتر اور دوسروں کی راحت و پسند ان کا مزاج بن گیا، اچھی چیز حاصل ہونے پر ان کی کوشش ہوتی کہ وہ اپنے عزیز وقریب کو دے دیں یا اس سے استعمال کرا کے پرانا کرا لیں، غریبوں کے ساتھ حسن سلوک بہت بڑھا ہوا تھا۔ گھر کی خادمہ اور پڑوس کے غریبوں تک کے لیے بڑی فکر رکھتیں کہ ان کا دل نہ دکھے بلکہ آرام ملے۔ حسب استطاعت مدد کرتی رہتیں اور کھانے کے سلسلے میں خیال رکھتیں کہ ان کو ان کا حصہ فراخی سے ملے، وہ اولاً اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں دوسرے سے مدد نہیں لیتی تھیں حتیٰ کہ اپنی اولاد واحفاد سے بھی مدد نہیں لیتی تھیں بلکہ ان کے کام خود کر دیتی تھیں جب تک ان کی صحت وقوت رہی مہمانوں کی خاطر، گھر والوں کی راحت کے لیے خود آگے آجاتیں اور مطبخ کا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں، چنانچہ کھانے کے اچھے اقسام تیار کرنے کی ان کو مہارت ہوگئی تھی وہ ایسے کھانے تیار کرتیں، لیکن ان کے ایثار پسندی کا حال یہ تھا کہ لذیذ کھانے وہ خود نہیں کھاتی تھیں عموماً عام کھانے پر اکتفا کرنے کی کوشش کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ ہم کو یہی کھانا اچھا لگتا ہے۔

کوئی عزیز دور سے آتا تو بہت زیادہ پذیرائی کرتی تھیں دعوت یا تحفہ سے خاطر کرتیں، اور وہیں کا عزیز ہوتا تو تواضع چائے سے یا کسی لذیذ چیز سے کرتی تھیں، عزیز بچوں سے ایسے اخلاق کا معاملہ کرتیں جس میں ان کے اور خود ان کے لڑکوں کے ساتھ کیے جانے والے معاملہ سے فرق نہ ہوتا، یہ نہ معلوم ہوتا کہ بیٹا کون ہے اور بھانجہ بھتیجہ کون ہے، حالانکہ دونوں کا فرق دل کے اندر مخفی ہوتا، اور بیٹوں سے بہت زیادہ محبت دل کے اندر مخفی ہوتی جو علاحدگی میں ظاہر ہوتی اور ان کے سفر کی صورت اور غیر موجودگی کے دنوں میں

عیاں ہو جاتی اور ان کی فکرمندی اور دل کے کبیدہ رہنے کی شکل میں ظاہر ہوتی، اپنے بچوں کے سفر اور دوری کو ان کی تعلیم اور خیر طلبی کی خاطر گوارہ کرتیں۔

ان کو اپنی اولاد میں سے کئی کے انتقال کا غم سہنا پڑا، دو کا چھوٹی عمر میں اور ایک جو سب سے بڑے بیٹے تھے اور انھوں نے ۲۱ رسال کی عمر میں عین جوانی کی حالت میں انتقال کیا تھا وہ ان کے لیے غم کا پہاڑ تھا لیکن یہ سمجھ کر کہ شریعت میں آواز نکالنا منع ہے اف نہیں کیا اگر چہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند دنوں بعد برداشت سے باہر ہو جانے کی وجہ سے دورے پڑنے لگے جو دیکھنے پر جان لیوا قسم کے معلوم ہوتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور دیگر بیٹوں کے بتدریج بڑے ہونے سے وہ دورے بتدریج کم ہوتے گئے اور بالآخر ختم ہوئے، ان کو اپنی زندگی کے آغاز میں اپنے والد کے انتقال کا غم سہنا پڑا تھا اس وقت ان کی عمر آغازِ جوانی کی یعنی ۱۷ سال کی تھی، پھر بڑی عمر میں اپنے بڑے بھائی پھر والدہ اور پھر اپنی چھوٹی بہن پھر شوہر کا انتقال دیکھنا پڑا ان سب غموں کو انھوں نے پورے صبر و رضا بالقضاء کے ساتھ جھیلا، پھر اپنے ایک بھتیجے مولانا محمد الحسنی پھر اپنے بڑے بیٹے مولانا محمد ثانی حسنی کا انتقال دیکھا جو ۵۶ سال کی عمر میں ہوا وہ بڑے بیٹے ہونے کے ناطے اپنے والدین کے اصل معاون اور گھر کے منتظم تھے، یہ بڑا سخت صدمہ تھا۔ سب نے محسوس کیا لیکن انھوں نے اف نہیں کیا خاموشی سے اس غم کو جھیلا، تب سے وہ دعا مانگتی تھیں کہ وہ اپنے چھوٹوں کو زندہ چھوڑ کر جائیں اور کسی کا غم نہ دیکھیں، انھوں نے اپنے مذکورہ بالا دوسرے بیٹے کے انتقال کے ۱۴ سال بعد اس دنیا سے خود سفر آخرت اختیار کیا اور اپنے نہ رہنے کا غم دوسروں کے لیے چھوڑ گئیں۔

امۃ العزیز صاحبہ اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی حسنی صاحب سے ۱۲ سال چھوٹی اور چھوٹے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے ۸ سال بڑی تھیں۔ عمر میں اس فرق کی وجہ سے ان کے چھوٹے بھائی کو اپنے بچپنے میں اپنی والدہ کی شفقت کے ساتھ اپنی

ان بڑی بہن کی شفقت بھی ملی جس کا سلسلہ بعد میں بڑی قربت کی شکل میں قائم رہا اور والدہ کے انتقال کے بعد ان کی شفقت ومحبت کو والدہ کی شفقت ومحبت سی محسوس کی، اور مولانا مدظلہ کا اپنے دیگر مشفق بڑوں کے انتقال کر جانے کے بعد اپنی ان بزرگ بہن سے ربط مزید بڑھ گیا تھا، اور وہ اپنے سفروں سے جلد واپسی کا تقاضا ان کی وجہ سے محسوس کرتے تھے اور وہ بھی تقاضہ کرتی رہتی تھیں کہ سفر سے جلد واپس ہوں، عموماً سفر کے آغاز پر وہ کہتی تھیں کہ جلد واپس آنا اور انتظار کرتی تھیں اور ان کے وطن میں قیام سے خوش اور مانوس ہوتی تھیں اور وہ بھی اان کے پاس روزانہ تھوڑا وقت بیٹھتے تھے، ان کا یہ معمول دن میں دو بار کا تھا کہ وہ اپنے مشاغل میں سے اس کے لیے وقت فارغ کرتے اور اس معمول میں فرق نہ آنے دیتے، اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہو پاتا تو دوسرے وقت اس کی تلافی کرتے، اسی لیے ان کے انتقال کو مولانا مدظلہ نے بہت محسوس کیا اور ان کو یہ خیال ہوا کہ ان کے مشفق بڑوں میں صرف ایک شخصیت رہ گئی تھی اور اب وہ بھی جاتی رہی۔ رحمها الله تعالى رحمة واسعة و غفرلهامغفرة تامة و اكرم منزلها عنده

والدہ مرحومہ محترمہ کے لیے یہ سعادت اور خوش قسمت کی بات رہی کہ انتقال کے وقت زبان پر بلند آواز سے ''اللہ اللہ'' کا لفظ جاری تھا اور یہ کہ ان کا انتقال رمضان کی ۲۳ ویں شب میں ہوا جس کے شب قدر ہونے کا پورا احتمال ہے، رات کے ڈیڑھ اور دو بجے کے درمیان کا وقت رہا ہوگا، اور یہ کہ انتقال کے وقت ان کے دل سے قریب رہنے والے افراد یعنی بیٹے، پوتے، پوتیاں اور عزیز بزرگ چھوٹے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قریب تھے اور ان کو ان کے قریب ہونے کا انس حاصل تھا، مولانا مدظلہ نے ان کی مقبولیت کے آثار محسوس کر کے اس خاص متعلقین کے سامنے اظہار بھی فرمایا، رمضان کا وقت گزارنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت قریب کی مسجد میں تھی جنھوں نے ان کو آخری کاندھا دیا اور نماز کے بعد آخری آرام گاہ تک دعاؤں کے ساتھ پہنچایا پھر بہت سے واقفین

نے رمضان کی تلاوتوں سے ایصال ثواب کیا، اللہ تعالیٰ ان کے لیے ان سب کا حصہ وافر منظور ومقرر فرمائے۔ (آمین)

نماز جنازہ ان کے بڑی محبت کرنے والے بھائی جن سے ان کو اپنی اولاد سے زیادہ محبت تھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے پڑھائی اور اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کے پہلو حظیرہ حضرت شاہ علم اللہؒ میں سپرد خاک ہوئیں ہجری تقویم کے اعتبار سے ۹۳ سال کی عمر پائی۔